



ارشادِ باری تعالیٰ

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ - خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ -
اقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْأَكْبَرُ - الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ - عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ
يَعْلَمُ - كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِكَبْفٍ لَّبِيطٍ - أَنْ رَأَاهُ اسْتَعْصَمَ - إِنَّ إِلَى
رَبِّكَ الرَّجْعُ -

(سورة العلق - آیات 9 تا 2)

ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ اس
نے انسان کو ایک چمٹ جانے والے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ، اور
تیرا رب سب سے زیادہ معزز ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا۔
انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ خرد دار! انسان یقیناً سرکشی کرتا
ہے۔ (اس لئے) کہ اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھا۔ یقیناً تیرے
رب ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔



فرمانِ خلیفہ وقت

ہمارے بچے عموماً ماشاء اللہ بڑی چھوٹی عمر میں قرآن کریم ختم کر
لیتے ہیں۔ جن کی ماؤں کو زیادہ فکر ہوتی ہے کہ ہماری اولاد جلد قرآن
کریم ختم کرے وہ اُن پر بڑی محنت کرتی ہیں۔ یہاں بھی اور مختلف
ملکوں میں جب میں جاتا ہوں تو وہاں بھی بچوں اور والدین کو شوق
ہوتا ہے کہ میرے سامنے بچوں سے قرآن کریم پڑھو اور اُن کی آمین کی
تقریب کروائیں۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ قرآن کریم ختم
کروانے کے بعد پھر اُن کی دہرائی اور بچے کو مستقل قرآن کریم پڑھنے
کی عادت ڈالنے کے لئے عموماً اتنا تردد اور کوشش نہیں ہوتی جتنی ایک
مرتبہ قرآن کریم ختم کروانے کے لئے کی جاتی ہے۔ کیونکہ میں جب
پوچھتا ہوں کہ تلاوت باقاعدہ کرتے ہو یا نہیں (بعضوں کے پڑھنے
کے انداز سے پتہ چل جاتا ہے) تو عموماً تلاوت میں باقاعدگی کا مثبت
جواب نہیں ہوتا۔ حالانکہ ماؤں اور باپوں کو قرآن کریم ختم کروانے
کے بعد بھی اس بات کی نگرانی کرنے چاہئے اور فکر کرنی چاہئے کہ
بچے پھر باقاعدہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی عادت ڈالیں۔ پس
اپنی فکریں صرف ایک دفعہ قرآن کریم ختم کروانے تک ہی محدود نہ
رکھیں بلکہ بعد میں بھی مستقل مزاجی سے اس کی نگرانی کی ضرورت
ہے۔ یقیناً پہلی مرتبہ قرآن کریم پڑھانا اور ختم کروانا ایک بہت اہم کام
ہے۔ بعض مائیں چار پانچ سال کے بچوں کو قرآن کریم ختم کروادیتی ہیں
اور یقیناً یہ بڑا محنت طلب کام ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے کہا کہ مستقل
مزاجی سے اسے جاری رکھنا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ گزشتہ دنوں
ایک خاتون کا مجھے خط ملا جس میں میری والدہ کا ذکر تھا اور لکھا کہ ایک
بات جو انہوں نے مجھے کہی اور آج تک میں اس پر اُن کی شکر گزار ہوں
کہ ایک دفعہ میں اپنی بیٹی یا بچے کو لے کر گئی جس نے قرآن کریم ختم
کیا تھا تو میں نے بڑے فخر سے انہیں بتایا کہ اس پر

اس شماره میں

دربارِ خلافت

نظم

مسئلہ کفر و اسلام

صبر کا مفہوم و مطلب۔۔۔ صبر و استقلال کے چند پیکر اور اقتباسات



Online Edition

شماره: 284 | جلد: 2

15 ربيع الثانی 1442 ہجری قمری

مدیر: ابو سعید

مجله 01 دسمبر 2020ء



فرمانِ رسول ﷺ

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سب سے پہلے حضور ﷺ کو سچی خوابیں آنے لگیں۔ جو خواب بھی آتی وہ نمودِ صبح
کی طرح روشن اور صحیح نکلتی۔ حضور ﷺ کو خلوت پسند تھی اور غار حرا میں جا کر عبادت کرتے تھے۔ آپ ﷺ کچھ سامان اپنے ہمراہ لے جاتے
۔ جب ختم ہو جاتا تو دوبارہ گھر آ کر کھانے پینے کا سامان لے جاتے۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ کے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہا پڑھو! آپ ﷺ
نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا۔ فرشتہ نے آپ کو سختی سے دبا یا پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھو! حضور ﷺ نے کہا: میں نہیں پڑھ سکتا۔ فرشتہ نے دوسری مرتبہ
دبا یا پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھو! حضور ﷺ نے کہا: میں نہیں پڑھ سکتا۔ تیسری دفعہ فرشتہ نے پھر دبا یا اور چھوڑ دیا اور کہا اپنے اس پروردگار کا
نام لے کر پڑھو جس نے انسان کو پیدا کیا۔ پڑھو در آنحالیکہ تیرا رب عزت والا اور کرم والا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ گھر واپس آئے۔
آپ ﷺ کا دل لرز رہا تھا۔ اپنی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؓ کے پاس آ کر کہا مجھے کبل اور ہادو۔ چنانچہ انہوں نے کبل اور ہادو دیا۔ جب آپ
ﷺ کی گھبراہٹ جاتی رہی تو حضرت خدیجہؓ کو سارا واقعہ بتایا اور اس خیال کا اظہار کیا کہ میں اپنے متعلق ڈرتا ہوں۔ اس پر حضرت خدیجہؓ
نے کہا کہ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں ہونے دے گا۔ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کو اٹھاتے ہیں، جو
خوبیاں معدوم ہو چکی ہیں ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں، ضروریات حقہ میں امداد کرتے ہیں۔

(مخص از صحیح بخاری۔ کتاب کیف کان بد آلوجی الی رسول اللہ ﷺ)

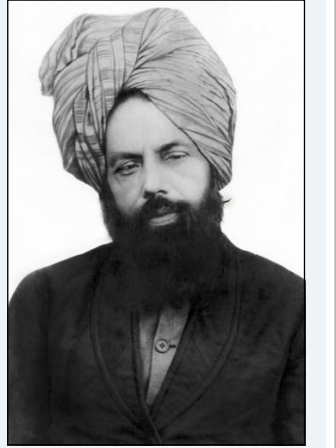


حضرت سلطان القلم کے رشحاتِ قلم

اعجازِ کلام کے کمالات قرآن شریف پر ختم ہو گئے

”خاتم النبیین کا لفظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بولا گیا ہے۔ بجائے خود چاہتا ہے اور بالطبع اسی
لفظ میں یہ رکھا گیا ہے۔ کہ وہ کتاب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے وہ بھی خاتم الکتب ہو اور
سارے کمالات اس میں موجود ہوں اور حقیقت میں وہ کمالات اس میں موجود ہیں۔

کیونکہ کلام الہی کے نزول کا عام قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ جس قدر قوت قدسی اور کمال باطنی اس شخص
کا ہوتا ہے۔ جس پر کلام الہی نازل ہوتا ہے۔ اسی قدر قوت اور شوکت اس کلام کی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اور کمال باطنی چونکہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا تھا جس سے بڑھ کر کسی انسان کا نہ کبھی
ہوا اور نہ آئندہ ہو گا۔ اس لئے قرآن شریف بھی تمام پہلی کتابوں اور صحائف سے اُس اعلیٰ مقام اور مرتبہ پر واقع ہوا ہے جہاں تک کوئی دوسرا
کلام نہیں پہنچا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد اور قوت قدسی سب سے بڑھی ہوئی تھی اور تمام مقامات کمال آپ پر ختم ہو چکے تھے
اور آپ انتہائی نقطہ پر پہنچے ہوئے تھے اس مقام پر قرآن شریف جو آپ پر نازل ہوا کمال کو پہنچا ہوا ہے اور جیسے نبوت کے کمالات آپ پر ختم
ہو گئے اسی طرح پر اعجاز کلام کے کمالات قرآن شریف پر ختم ہو گئے۔ آپ خاتم النبیین ٹھہرے اور آپ کی کتاب خاتم الکتب ٹھہری۔ جس
قدر مراتب اور وجوہ اعجاز کلام کے ہو سکتے ہیں۔ ان سب کے اعتبار سے آپ کی کتاب انتہائی نقطہ پر پہنچی ہوئی ہے۔



یعنی کیا باعتبار فصاحت و بلاغت، کیا باعتبار ترتیب مضامین، کیا باعتبار تعلیم، کیا باعتبار کمالات تعلیم، کیا باعتبار ثمرات تعلیم، غرض جس پہلو سے
دیکھو اسی پہلو سے قرآن شریف کا کمال نظر آتا ہے اور اس کا اعجاز ثابت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے کسی خاص امر کی نظیر
نہیں مانگی۔ بلکہ عام طور پر نظیر طلب کی ہے۔ یعنی جس پہلو سے چاہو مقابلہ کرو۔ خواہ بلحاظ فصاحت و بلاغت، خواہ بلحاظ مطالب و مقاصد، خواہ بلحاظ
تعلیم، خواہ بلحاظ پیشگوئیوں اور غیب کے جو قرآن شریف میں موجود ہیں۔ غرض کسی رنگ میں دیکھو، یہ معجزہ ہے۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 36-37 مطبوعہ 1984ء)

مردِ حق کی دُعا

دو گھڑی صبر سے کام لو ساتھیو! آفتِ ظلمت و جور ٹل جائے گی
آہِ مومن سے ٹکرا کے طوفان کا، رُخ پلٹ جائے گا، رُت بدل جائے گی

تم دعائیں کرو یہ دعا ہی تو تھی، جس نے توڑا تھا سر کبرِ نمرود کا
ہے ازل سے یہ تقدیرِ نمرودیت، آپ ہی آگ میں اپنی جل جائے گی

یہ دُعا ہی کا تھا معجزہ کہ عصا، ساحروں کے مقابل بنا اژدھا
آج بھی دیکھنا مردِ حق کی دعا، سحر کی ناگونوں کو نکل جائے گی

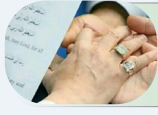
خوں شہیدانِ اُمت کا لے کم نظر! رائیگاں کب گیا تھا کہ اب جائے گا
ہر شہادت ترے دیکھتے دیکھتے، پھول پھل لائے گی، پھول پھل جائے گی

ہے ترے پاس کیا گالیوں کے سوا، ساتھ میرے ہے تائیدِ ربِّ الوری
کل چلی تھی جو لیکھو پہ تیغِ دعا، آج بھی، اذن ہو گا تو چل جائے گی

دیر اگر ہو تو اندھیر ہر گز نہیں، قول اُمّی لہم ان کبیدی متین
سنت اللہ ہے، لاجرم بالیقین، بات ایسی نہیں جو بدل جائے گی

یہ صدائے فقیرانہ حق آشنا، پھیلتی جائے گی شش جہت میں سدا
تیری آواز اے دشمن بد نوا! دو قدم دور دو تین پل جائے گی

عصر بیمار کا ہے مرض لا دوا، کوئی چارہ نہیں اب دُعا کے سوا
اے غلامِ مسیح الزماں ہاتھ اٹھا، موت بھی آگئی ہو تو ٹل جائے گی



دربارِ خلافت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے کے ساتھ استہزاء اور حد سے زیادہ
زیادتوں میں بڑھنا اور اس پر ڈھٹائی اور ضد سے قائم رہنا یہ سب چیزیں ایسی
ہیں جو کبھی دنیا کا امن اور سکون قائم نہیں رہنے دیں گی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:-

آج دنیا میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہر طرف ایک افراتفری کا عالم ہے۔ چاہے وہ مشرقی ممالک ہوں یا مغربی، ترقی یافتہ کہلانے والے ممالک ہوں یا ترقی پذیر یا نسبتی لحاظ سے غیر ترقی یافتہ۔ بعض ملک یا ملکوں کے رہنے والے اپنے ملکوں کے اندر فسادوں کی وجہ سے پریشان ہیں اور خوف کا شکار ہیں۔ بعض دوسرے ممالک اور حکومتوں کی دخل اندازیوں کی وجہ سے خوف کا شکار ہیں۔ بعض دہشت گردوں کی کارروائیوں کی وجہ سے پریشان ہیں اور خوف کا شکار ہیں۔ یہ دہشت گردی سیاسی وجوہات کی وجہ سے ہو یا نام نہاد مذہب کی وجہ سے۔ نام نہاد میں اس لئے کہتا ہوں کہ مذہب کے نام پر یا مذہب کی طرف منسوب کر کے جو دہشت گردی ہوتی ہے اور اس منسوب کرنے والوں میں جیسا کہ میں نے کہا کچھ تو مذہب کے نام پر کرنے والے ہیں اور کچھ خود ساختہ تصور پیدا کر کے اور خاص طور پر اسلام کے خلاف تصور پیدا کر کے پھر اس کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ بہر حال مذہب کبھی بھی دہشت گردی کی تعلیم نہیں دیتا اور خاص طور پر اسلام کی تعلیم تو کلیتاً اس حرکت کے خلاف ہے اور پھر کسی حکومت میں رہ کر اس کا شہری ہو کر پھر اس قسم کی حرکتیں کرنا تو کسی بھی صورت میں اسلام میں قابل قبول نہیں ہے۔ لیکن بد قسمتی ہے کہ انسانیت اور خدا کی مخلوق پر بعض طبقات کی طرف سے ظلم خدا کے نام پر ہوتا ہے۔ پھر بعض ممالک جنگ کے خوف کی وجہ سے پریشان ہیں۔ بعض کو قدرتی آفات نے گھیرا ہوا ہے اور ان ملکوں میں بسنے والے پریشانی اور خوف کا شکار ہیں۔ غرض کہ آج ہر ہمدرد انسانیت اور خدا کا خوف رکھنے والا دل اس امر کی طرف متوجہ ہے اور غور کرتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ مکمل طور پر کہیں بھی کسی کو اطمینان قلب اور امن نصیب نہیں ہے اور اس درد کے ساتھ فی زمانہ صرف احمدی سوچتا ہے۔ مجھے ڈاک میں اکثر خطوط ملتے ہیں کہ دنیا کے امن کے لئے، ملک کے امن کے لئے دعا کریں۔ یہ خطوط لکھنے والے گو کہ چند ایک ہوں گے لیکن مجھے علم ہے، کئی ذریعوں سے علم ہوتا رہتا ہے کہ اکثریت احمدیوں کی دنیا کے یا اپنے ملکوں کے حالات کی وجہ سے پریشان ہے کہ کس قسم کے پریشان کن حالات ملکوں میں، دنیا میں پیدا ہوئے ہوئے ہیں۔ اور یہ جو سوچ ہے یہ اس انقلاب کا نتیجہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں پیدا کیا۔ یہ جذبات اس وجہ سے احمدی کے دل میں پیدا ہوتے ہیں کہ اس کی ایمانی حالت کو اس زمانے کے امام نے بدلا ہے۔ خدا کا خوف اور خدا کی مخلوق سے ہمدردی اس کے دل میں پیدا کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف جگہ پر اپنی بعثت کی غرض بیان فرمائی ہے۔ آپ یہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تا ایمانوں کو قوی کروں اور خدا تعالیٰ کا وجود لوگوں پر ثابت کر کے دکھاؤں کیونکہ ہر ایک قوم کی ایمانی حالتیں نہایت کمزور ہو گئی ہیں اور عالم آخرت صرف ایک افسانہ سمجھا جاتا ہے اور ہر ایک انسان اپنی عملی حالت سے بتا رہا ہے کہ وہ جیسا کہ یقین دنیا اور دنیا کی جاہ و مراتب پر رکھتا ہے اور جیسا کہ اس کو بھروسہ دنیوی اسباب پر ہے، یہ یقین اور یہ بھروسہ ہر گز اس کو خدا تعالیٰ اور عالم آخرت پر نہیں۔ زبانوں پر بہت کچھ ہے مگر دلوں میں دنیا کی محبت کا غلبہ ہے۔ سو میں بھیجا گیا ہوں کہ تاسپائی اور ایمان کا زمانہ پھر آوے اور دلوں میں تقویٰ پیدا ہو۔“ (کتاب البریہ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 293-291 حاشیہ)

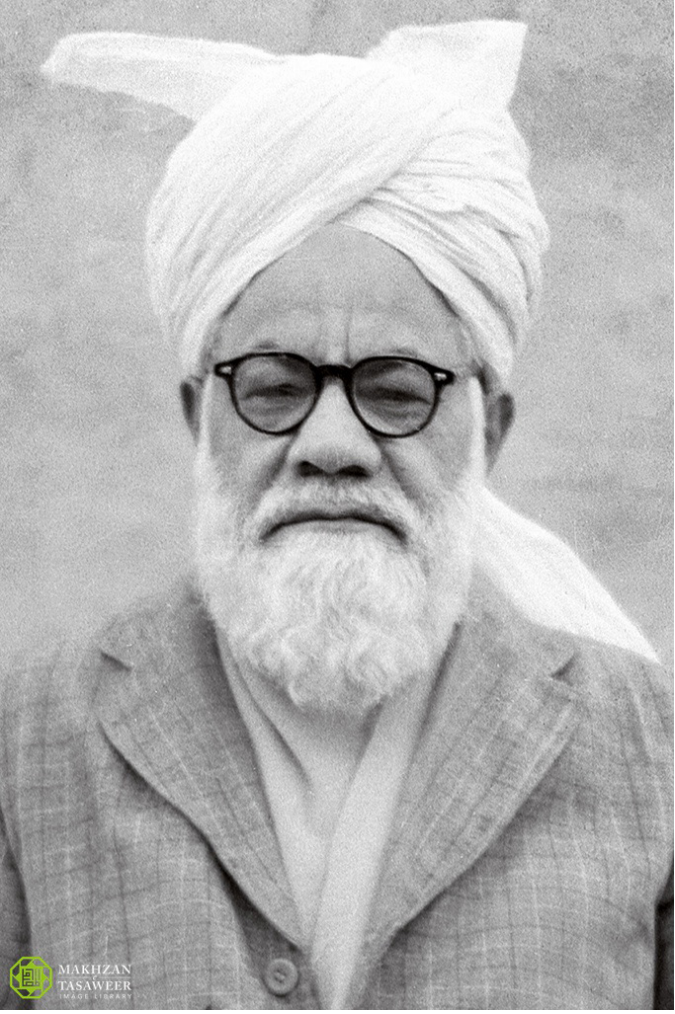
پھر آپ فرماتے ہیں۔ ”وہ کام جس کے لئے خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ خدا میں اور اس کی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقع ہو گئی ہے اس کو دور کر کے محبت اور اخلاص کے تعلق کو دوبارہ قائم کروں اور سچائی کے اظہار سے مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر کے صلح کی بنیاد ڈالوں اور وہ دینی سچائیاں جو دنیا کی آنکھ سے مخفی ہو گئی ہیں ان کو ظاہر کر دوں۔“ (لیکچر لاہور۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 180)

آپ فرماتے ہیں ”قرآن شریف کے بڑے حکم دوہی ہیں، ایک توحید و محبت و اطاعت باری عزائسمہ دوسری ہمدردی اپنے بھائیوں اور اپنے بنی نوع کی“۔ (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 550)

پس خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس زمانے کے امام کو ماننے والے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے زمانے کی اصلاح کے لئے اُس وقت بھیجا جب دنیا میں ہر طرف فساد اور خود غرضی کا دور دورہ تھا۔ اس امام کو ماننے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اُن برائیوں اور فسادوں سے بچنے کے راستے دکھادیئے۔ اب یہ ہر احمدی کا کام ہے کہ توحید کو دنیا میں بقیہ صفحہ 5 پر

مسئلہ کفر و اسلام

(ماخوذ از مضامین بشیر)



اسلام سے خارج نہیں کرتا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں اپنے منکروں کو اسلام کے دائرہ سے خارج بیان فرمایا ہے وہاں بعض جگہ بڑے بڑے صاف الفاظ میں ان کو مسلمان بھی لکھا ہے۔ بعض نادان اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود پر اعتراض کر دیتے ہیں کہ کہیں آپ کچھ لکھتے ہیں اور کہیں کچھ۔ وہ اتنا نہیں سوچتے کہ جب خاتم النبیین کی بعثت نے اسلام کو دو دائروں میں تقسیم کیا ہے تو پھر یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص باوجود ایک دائرہ سے خارج ہو جانے کے دوسرے دائرہ کے اندر داخل رہے۔ غرض حضرت مسیح کے کلام میں کوئی تناقض نہیں ہاں ہمارے بعض احباب کی عقلوں پر پردہ ہے کہ وہ ایسی موٹی بات نہیں سمجھ سکتے۔ میں چیلنج کرتا ہوں تمام غیر مبایعین احباب کو کہ وہ مجھے یہ دکھادیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہیں حقیقت اسلام کا ذکر فرماتے ہوئے اپنے منکروں کو مسلمان کہا یا لکھا ہو۔ اسی طرح میرا یہ بھی دعویٰ ہے کوئی صاحب ایسا حوالہ بھی پیش نہیں کر سکتے کہ جس میں حضرت مسیح موعود نے عام طور پر قومی رنگ میں ذکر فرماتے ہوئے اپنے منکروں کو مسلمان کے سوا کسی اور نام سے یاد کیا ہو۔ حالانکہ میں بفضل خدا ایک نہیں بیسیوں ایسے حوالے پیش کر سکتا ہوں جن میں حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کو مسلمان کہا اور لکھا ہے۔ اور نیز بیسیوں ایسے حوالے جن میں آپ نے بڑی وضاحت کے ساتھ غیر احمدیوں کے اسلام سے انکار کیا ہے۔ فند برو۔

میں نے اپنے رسالہ ”کلمۃ الفصل“ میں کافی ذخیرہ ایسے حوالوں کا جمع کر دیا ہے جس کو موقع ملے وہ اس رسالہ کو دیکھے۔ یہاں صرف نمونہ کے طور پر دیکھئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام عبدالحکیم خان مرتد کو لکھتے ہیں:-

”خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا۔ وہ مسلمان نہیں ہے۔ اور خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے“

اس تحریر میں حضرت مسیح موعود نے کس وضاحت کے ساتھ اپنے منکرین کو اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ مخالف ہزار سر پیٹے اس تحریر کی صفائی کو مکدر نہیں کر سکتا۔

منسوب ہونے والی قوم ہمیشہ سے ہی مسلمان کہلائے گی۔ اور جو کوئی بھی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے گا اس دائرہ کے اندر آجائے گا لیکن حقیقت کا دائرہ جو علمیت کے دائرہ کے اندر ہے اس کا یہ حال نہیں بلکہ حقیقت کے متعلق سنت اللہ یہی ہے کہ وہ آہستہ آہستہ مدہم ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسلام میں مجددین کے سلسلہ کو جاری فرمایا ہے۔ تا حقیقت پر جو میل آجاوے وہ اسے دھوتے رہیں اور حقیقت کو روشن کرتے رہیں لیکن اسلام پر ایک وقت ایسا بھی مقدر تھا جب اس کی حقیقت بالکل محو ہو جاتی تھی اور ایمان بحوالہ دنیا سے کامل طور پر اٹھ جانا تھا۔ (جیسا کہ لوکان الایمان معلقا بالثریا ۱۰۔ بحوالہ صحیح بخاری کتاب تفسیر سورۃ جمعہ) اور بعض دیگر احادیث نبوی و آیات قرآنیہ سے ظاہر ہے (ایسے وقت کے لئے نبی کریم کی دوسری بعثت صفت احمدیت کے ماتحت اپنے ایک نائب کے ذریعہ مقدر تھی۔ اس نائب کا دوسرا نام مہدی اور مسیح ہے۔ وہ محمد رسول اللہ کا نائب، مسیح اور مہدی دنیا میں آیا اور اس نے مطابق سنت مرسلین پھر حقیقت اسلام کا دائرہ قائم کیا۔ اس لئے اب جو شخص اس کو قبول نہیں کرتا اور اس کی تکذیب کرتا ہے وہ حقیقت اسلام کے دائرہ سے خارج ہے لیکن اگر وہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے تو وہ علمیت کے دائرہ سے خارج نہیں اور کوئی شخص حق نہیں رکھتا کہ اسے مطلقاً دائرہ اسلام سے خارج قرار دے یا غیر مسلم کے نام سے پکارے۔ وہ مسلم ہے اور حق رکھتا ہے کہ اس نام سے پکارا جائے مگر ہاں نائب ختم الرسل کے انکار نے اُسے بیشک حقیقت کے دائرہ سے خارج کر دیا ہے۔

خوب یاد رکھو کہ اب آسمان کے پردے کے نیچے محمد رسول اللہ کے سوائے کسی شخص کی ایسی شان نہیں ہے کہ اس کا انکار انسان کو ہر قسم کے اسلام سے خارج کر دے۔ مسیح موعود خواہ اپنی موجودہ شان سے بھی بڑھ کر شان میں نزول فرماوے مگر اس کا انکار اس کے منکرین کو صرف حقیقت اسلام کے دائرہ سے خارج کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ ہرگز نہیں۔ میں اپنے ذوق اور تحقیقات کی بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتر کر باقی تمام انبیاء سے افضل یقین کرتا ہوں اور اس کے ثبوت کے لئے بفضل تعالیٰ اپنے پاس نہایت قوی دلائل رکھتا ہوں۔ جن کے بیان کا یہ موقع نہیں مگر پھر بھی میرا یہی ایمان ہے کہ مسیح موعود کا انکار مطلقاً اسلام کے دائرہ سے خارج نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ اصل چیز تو حقیقت ہے علمیت کا دائرہ کوئی چیز نہیں تو میں اس سے متفق نہیں ہوں گا۔ کیا خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہونا۔ محمد رسول اللہ کو خاتم النبیین یقین کرنا۔ قرآن کریم کو خدا کا کلام اور کامل شریعت جاننا اور اسلام جیسے پیارے نام کی طرف منسوب ہونا کچھ بھی نہیں؟ یقیناً ہے اور بہت کچھ ہے۔ خدا تعالیٰ تو نکتہ نواز ہے۔ وہ رحم کرنے پر آئے تو اس نام کی طرف نسبت رکھنا ہی بہت کچھ ہے۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ اگر علمیت کا دائرہ کچھ نہیں تو کس چیز نے غیر احمدیوں کو ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کی نسبت ہمارے بہت زیادہ قریب کر رکھا ہے۔ غرض یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ مسیح موعود کا انکار صرف حقیقت اسلام کے دائرہ سے خارج کرتا ہے۔ مطلقاً

اس وقت تک مسئلہ کفر و اسلام پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ میں نے خود اس مضمون پر ایک مختصر سا رسالہ ”کلمۃ الفصل“ گذشتہ سال لکھا تھا جو چھپ چکا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک اس مسئلہ پر کچھ اور لکھنے کی گنجائش ہے کیونکہ گاہے گاہے مختلف مقامات سے اس مسئلہ کے متعلق یہاں سوالات پہنچتے رہتے ہیں اور گو عام طور پر اب اس کو حل شدہ سمجھا جاتا ہے لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک کسی مسئلہ کو نہایت سہل طریق سے بوضاحت نہ بیان کیا جائے وہ نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے میرا ارادہ ہے کہ نہایت مختصر اور عام فہم پیرایہ میں اس پر کچھ لکھا جاوے تا اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہمارے گم کردہ راہ احباب کے لئے یہ ہدایت کا سامان ہو۔

چونکہ باریکیوں میں پڑنے اور تفصیلات میں جانے سے عوام الناس کے لئے مضمون اور بھی مشتتبہ ہو جاتا ہے، اس لئے میں انشاء اللہ تعالیٰ ایسی تمام پیچیدہ باتوں سے پرہیز رکھوں گا۔ وما توفیقی الا باللہ میں نے اپنے فہم کے مطابق مسئلہ کفر و اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ غیر احمدیوں کا اسلام کیسا ہے اور کن معنوں میں وہ مسلمان ہیں اور کن میں مسلمان نہیں۔ دوسرے یہ کہ غیر احمدیوں کو کافر کہنے سے ہماری کیا مراد ہوتی ہے۔

غیر احمدیوں کا اسلام

مضمون اول کے لئے سب سے پہلے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کے واسطے لفظ ”اسلام“ اپنے اندر صرف ایک مفہوم رکھتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا یا الفاظ دیگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کا لفظ صرف اپنی حقیقت کے لحاظ سے مستعمل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مسلم کے نام سے موسوم نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی مذہب نے آنحضرت سے پہلے اسلام کا نام پایا۔ گو حقیقت کے لحاظ سے پہلے مذہب بھی اسلام ہی تھے اور گذشتہ انبیاء کے پیرو بھی مسلمان تھے لیکن جیسا کہ تاریخ اس امر پر شاہد ہے، وہ کبھی اس نام سے موسوم نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ گذشتہ تمام مذہب بوجہ قیود زمانی اور مکانی کے کامل نہ تھے۔ اس لئے ان پر اسم ذات یا علم کے طور پر اسلام کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ مذہب لائے جو ان قیود سے آزاد ہے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت ہر طرح سے کامل شریعت ہے۔ اس لئے آپ کی بعثت سے یہ تبدیلی واقع ہوئی کہ آپ کا لایا ہوا مذہب نہ صرف حسب دستور سابق اپنی حقیقت کے لحاظ سے اسلام ہوا بلکہ علمیت کے طور پر اس کا نام بھی اسلام رکھا گیا۔ اسی طرح آپ کی طرف منسوب ہونے والے لوگوں کا نام مسلمان ہوا۔ گویا کہ آپ کی بعثت کی وجہ سے اسلام کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ ایک وہی پرانے حقیقی مفہوم کے لحاظ سے اور دوسرے بطور علم یعنی اسم ذات کے۔ گویا بجائے ایک کے دو دائرے قائم ہو گئے۔ ایک حقیقت کا اور دوسرا علمیت کا۔ اب یہ بالکل ظاہر ہے کہ علمیت کے دائرہ پر زمانہ کا کوئی اثر نہیں۔ وہ اسی طرح قائم رہے گا، جیسا کہ ایک دفعہ ہو چکا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

پھر آپ نے اپنی ۲۶ دسمبر ۱۹۰۶ء والی تقریر میں غیر احمدیوں کی نسبت فرمایا کہ:-

”اللہ تعالیٰ اب ان لوگوں کو مسلمان نہیں جانتا جب تک وہ غلط عقائد کو چھوڑ کر راہ راست پر نہ آجائیں۔ اور اس مطلب کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے۔“

دیکھئے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر احمدی مسلمان نہیں ہیں۔ جب تک وہ مسیح موعود پر ایمان لا کر اپنے عقائد کو درست نہ کریں۔

پھر آپ اپنی کتاب اربعین نمبر ۴ صفحہ ۱۱ (روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۴۲۱ حاشیہ) پر تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”جب میں دہلی گیا تھا۔ اور میاں نذیر حسین غیر مقلد کو دعوت دین اسلام کی گئی تھی۔ تب ان کی ہر ایک پہلو سے گریز دیکھ کر اور ان کی بدزبانی اور دشنام دہی کو مشاہدہ کر کے آخری فیصلہ یہی ٹھہرایا گیا تھا کہ وہ اپنے اعتقاد کے حق ہونے کی قسم کھالے۔ پھر اگر قسم کے بعد ایک سال تک میری زندگی میں فوت نہ ہو تو میں تمام کتابیں اپنی جلا دوں گا اور اس کو نعوذ باللہ حق پر سمجھ لوں گا لیکن وہ بھاگ گیا۔“

دیکھئے اس تحریر میں حضرت مسیح موعودؑ نے کس دھڑلے کے ساتھ مولوی نذیر حسین کے مقابلہ میں صرف اپنے عقائد کو ہی اسلام قرار دیا ہے اور مولوی مذکور کو جو غیر احمدیوں میں دین اسلام کا ایک رکن سمجھا جاتا تھا اسلام سے خارج بتایا ہے۔ ایسے اور بھی بہت سے حوالے ہیں مگر اس مختصر سے مضمون میں ان کی گنجائش نہیں۔ اس قسم کے حوالوں کے مقابلہ میں دوسری قسم کے بھی بیسیوں حوالے ہیں۔ جن کو عند الضرورت پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقت کی رو سے ہمیشہ اپنے منکروں کو اسلام سے باہر قدم رکھنے والے سمجھا ہے مگر ہاں اسی اور رسمی طور پر ان کو مسلمان بھی کہا اور لکھا ہے۔ اس حقیقت کو حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام بھی خوب واضح کر رہا ہے۔ جو یہ ہے۔

”چو دور خسروی آغاز کردند“

”مسلمان را مسلمان باز کردند“

ال۔ (بحوالہ تذکرہ صفحہ 514، 562 طبع 2004ء)

اس میں جناب باری تعالیٰ نے غیر احمدیوں کو صاف طور پر مسلمان بھی کہا ہے۔ اور پھر صاف طور پر ان کے اسلام کا انکار بھی کیا ہے۔ پس اب ہم مجبور ہیں کہ غیر احمدیوں کو عام طور پر ذکر کرتے ہوئے مسلمان کے نام سے یاد کریں۔ کیونکہ کلام الہی صاف طور پر حضرت مسیح موعودؑ کے منکروں کو مسلمان کے نام سے پکار رہا ہے۔ اسی طرح اب خواہ کوئی کتنا ہی بڑا انسان غیر احمدیوں کو مسلمان سمجھے۔ ہم مجبور ہیں کہ اس کی ایک نہ سنیں کیونکہ وہی کلام الہی واضح اور غیر تاویل طلب الفاظ میں ان کے اسلام کا انکار کر رہا ہے۔ فتنہ پڑو

غیر احمدیوں کا کفر

اب میں مضمون کی دوسری شق کو لیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے منکروں پر کس قسم کا کفر عاید ہوتا ہے۔ سوا اس کے متعلق جہاں تک قرآن شریف کی آیتوں اور حضرت مسیح موعودؑ کی تحریروں اور احادیث نبوی سے پتہ چلتا ہے وہ یہی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا منکر اسی طرح الہی مواخذہ کے نیچے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے دیگر رسولوں کے منکرین ہیں کیونکہ باری تعالیٰ کی طرف سے جتنے بھی مامورین آتے ہیں ان کا مقصد

اعلیٰ یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر لوگوں کی طرف سے صرف زبانی اقرار نہ ہو بلکہ ایمان و یقین کے درجہ تک پہنچ کر مخلوق خدا کے رگ و ریشہ میں رچ جائے اور انسان کا عرفان ذات حق تعالیٰ کے متعلق اس قدر مستحکم ہو جائے کہ خدا تعالیٰ کا صفاتی وجود ہر جگہ محسوس و مشہود ہو کیونکہ اس کے بغیر گناہ سے چھٹکارہ نہیں اور گناہ سے پاک ہونے کے بغیر نجات نہیں۔ یہ غلط ہے کہ سب رسولوں کا نئی شریعت لانا ضروری ہے۔ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد سینکڑوں ایسے نبی ہوئے جن کو کوئی شریعت نہیں دی گئی بلکہ وہ توریت کے خادم تھے۔ خود حضرت مسیح موعودؑ نے براہین حصہ پنجم صفحہ ۱۳۸ پر لکھا ہے کہ نبی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ صاحب شریعت نبی کا متبع نہ ہو۔ غرض اس بات کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ایک رسول کی اصل حیثیت ایک منجی کی ہوتی ہے اور وہ تمام ایک کشتی تیار کرتے ہیں جس کے اندر بیٹھنے والے تمام خطرات سے نجات پا جاتے ہیں۔ وہ کشتی یہی ایمان کی کشتی ہوتی ہے مگر لمبوں تک محدود رہنے والا ایمان نہیں بلکہ وہ ایمان جو مومن کے رگ و ریشہ کے اندر سرایت کر جاتا اور اسے یقین کی مستحکم چٹان پر قائم کر دیتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ حدیث نبوی کہ لَوْ كَانَ الْإِنْسَانُ مُعْتَفًا لَثُرَّ يَأْتِنَا لَهُ رَجُلٌ مِّنْ قَارِسٍ۔ اگر زبانی اقرار کا نام ایمان رکھا جاوے تو پھر اس حدیث کے کوئی معنی ہی نہیں بنتے کیونکہ زبانی اقرار والا ایمان تو تمام مسلمان کہلانے والے لوگوں میں ہمیشہ پایا جاتا رہا ہے۔ سو ماننا پڑتا ہے کہ اس جگہ وہ ایمان مراد ہے جو خدا کی ہستی کو محسوس و مشہود کروا دیتا ہے اور گناہوں کو آگ کی طرح جلا کر خاک کر دیتا اور انسان کو ایک نئی زندگی بخشتا ہے۔ سوا اس لحاظ سے تو تمام مامورین کا انکار منکرین کے غیر مومن ہونے پر مہر لگانے والا ہوتا ہے مگر پھر بھی کفر کی اقسام ہیں جو ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔ سو جاننا چاہیے کہ کفر و قسم کا ہوتا ہے۔ ایک ظاہری کفر اور ایک باطنی کفر۔ ظاہری کفر سے یہ مراد ہے کہ انسان کھلے طور پر کسی رسول کا انکار کر دے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور نہ مانے۔ جس طرح یہود نے مسیح ناصر کی کفر کیا یا جس طرح نصاریٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے رسول نہ مانا اور باطنی کفر یہ ہے کہ ظاہر اُطور پر تو انسان کسی نبی یا رسول کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کا اقرار کرے اور اس کی امت میں اپنے آپ کو شمار کرتا ہو لیکن درحقیقت (اللہ تعالیٰ کی نظر میں) وہ اس نبی کی تعلیم سے بہت دور جا پڑا ہو اور اس کی پیشگوئیوں پر پورا پورا ایمان نہ لائے اور جس شخص پر ایمان لانے کا خدا نے حکم دیا ہو۔ اس کی تکذیب کرے اور اس نبی کے احکام پر کار بند نہ ہو یا اگر ہو تو صرف قشر پر گرا رہے اور حقیقت سے دور ہو۔ غرض صرف رسمی طور پر اس کی طرف منسوب کیا جائے۔ جیسا کہ مسیح ناصر کا زمانہ پانے والے یہود کا حال تھا۔ گو وہ ظاہر اُطور پر تورات کے حامل تھے اور موسیٰ کی امت میں اپنے آپ کو شمار کرتے تھے لیکن درحقیقت وہ موسیٰ کی طرف صرف رسمی طور پر منسوب تھے۔ چنانچہ اس حقیقت کو مسیح ناصر کی بعثت نے بالکل مبرہن کر دیا اور یہ بات بالکل ظاہر ہو گئی کہ حقیقت میں یہود موسیٰ کی تعلیم سے بہت دور جا پڑے تھے اور انہوں نے تورات کو پس پشت ڈال رکھا تھا اور ان کا موسیٰ کی امت میں ہونے کا دعویٰ صرف ایک زبانی دعویٰ تھا جو آزمانے پر غلط نکلا۔ حضرت مسیح کی بعثت سے پہلے تمام بنی اسرائیل موسیٰ کی تعلیم پر کار بند ہونے کے مدعی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے مسیح کو نازل فرما کر سچوں اور جھوٹوں میں تمیز پیدا کر دی اور اس بات پر الہی مہر لگ گئی کہ اکثر بنی اسرائیل اپنے دعوے میں جھوٹے تھے۔ پس یہود نے مسیح کے

انکار سے اپنے اوپر دو کفر لئے۔ ایک مسیح کا ظاہری کفر اور دوسرے موسیٰ یا یوں کہیے کہ مسیح سے پہلے گذرے ہوئے تمام انبیاء کا باطنی کفر۔ یہی حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پانے والے نصاریٰ کا ہے۔ جنہوں نے آپ کا انکار کر کے اس بات پر بھی مہر لگادی کہ وہ مسیح ناصر کی کفر کیا۔ ایک ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باطنی کفر۔ اب یہ مسئلہ بالکل صاف ہے کہ ایک رسول کے انکار سے باقی تمام رسولوں کا انکار لازم آتا ہے۔ ہاں ہم یہ نہیں کہتے کہ ایک رسول کا ظاہری کفر باقی رسولوں کا بھی ظاہری کفر ہے کیونکہ جیسا کہ میں بتا آیا ہوں ظاہری کفر زبانی انکار سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے بغیر کسی کی طرف سے زبانی انکار کے اس پر ظاہری کفر کا فتویٰ عائد کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ ایک شخص اگر کہتا ہے کہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت پر ایمان لاتا ہوں اور وہ کلمہ گو ہے۔ تو پھر ہمارا کوئی حق نہیں کہ ہم اس کو ظاہری کفر کے لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کافر کہیں۔ ہاں اگر وہ کسی اور مامور من اللہ کا ظاہری کفر اپنے اوپر لیتا ہے تو پھر بے شک جیسا کہ میں ابھی ثابت کر آیا ہوں اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی باطنی کفر کیا کیونکہ ایک رسول کے ظاہری کفر سے باقی رسولوں کا باطنی کفر لازم آتا ہے۔ ہر ایک رسول کی بعثت بذات خود زبان حال سے پکار رہی ہوتی ہے کہ اس سے پہلے کے انبیاء بلکہ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ خود ذات باری تعالیٰ کا باطنی کفر دنیا میں شروع ہو چکا ہے۔ مسیح ناصر کا دنیا میں آنا اس بات پر گواہ تھا کہ موسیٰ کی قوم نے موسیٰ کا باطنی کفر شروع کر رکھا تھا۔ پھر آخر مسیح کی بعثت نے ثابت کر دیا کہ امت موسویہ میں واقعی اکثر دھاگے کچے تھے جو ذرا سے جھٹکے میں ٹوٹ گئے۔ اسی طرح مسیح محمدی کی بعثت دلیل ہے اس بات پر کہ امت محمدیہ میں خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کفر شروع ہے مگر وہی باطنی کفر کیونکہ ظاہری کفر ان پر عائد نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اسلام سے ظاہر اُطور پر ارتداد کی راہ نہ اختیار کریں۔ پس اب ہماری پوزیشن بالکل صاف ہے۔ ہم غیر احمدیوں کو حضرت مسیح موعود کا کافر سمجھتے ہیں۔ آپ کے سوا کسی اور رسول کے وہ ظاہری کافر نہیں اور نہ ہم ان کو کہتے ہیں مگر ہاں مسیح موعود کا کفر ہم کو اتنا ضرور بتا رہا ہے کہ آپ کے منکرین میں محمد رسول اللہ صلی اللہ کا بھی باطنی کفر شروع ہے۔

فریق مخالف نے مسئلہ کفر و اسلام بے ہودہ جھگڑوں سے پیچیدہ کر دیا ہے ورنہ بات بالکل صاف ہے۔ کون کہتا ہے کہ غیر احمدی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری کافر ہیں۔ ہمارا سر پھرا ہے کہ ہم کہیں غیر احمدی محمد رسول اللہ کے ظاہری طور پر کفر کرنے والے ہیں۔ اس کے تو یہ معنی ہوں گے کہ غیر احمدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے مدعی بھی نہیں اور یہ بالبداہت غلط ہے۔ خدا ہمارے طرف وہ بات منسوب نہ کر جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہے۔ ہم تو غیر احمدیوں کو صرف مسیح موعود کا کافر سمجھتے ہیں اور بس۔ چونکہ اور کسی رسول کا انہوں نے ظاہر اُطور پر انکار نہیں کیا۔ بلکہ ایمان لانے کے مدعی ہیں اس لئے وہ مسیح موعود کے سوا کسی اور رسول کے مطلقاً کافر نہیں کہلا سکتے۔ ہاں انہوں نے مسیح موعود کے انکار سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی گذشتہ انبیاء کا باطنی کفر اپنے اوپر ضرور لے لیا ہے بلکہ خود خدا تعالیٰ کا کفر سہیڑ لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود حقیقت الہی میں فرماتے ہیں کہ

فریق مخالف نے مسئلہ کفر و اسلام بے ہودہ جھگڑوں سے پیچیدہ کر دیا ہے ورنہ بات بالکل صاف ہے۔ کون کہتا ہے کہ غیر احمدی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری کافر ہیں۔ ہمارا سر پھرا ہے کہ ہم کہیں غیر احمدی محمد رسول اللہ کے ظاہری طور پر کفر کرنے والے ہیں۔ اس کے تو یہ معنی ہوں گے کہ غیر احمدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے مدعی بھی نہیں اور یہ بالبداہت غلط ہے۔ خدا ہمارے طرف وہ بات منسوب نہ کر جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہے۔ ہم تو غیر احمدیوں کو صرف مسیح موعود کا کافر سمجھتے ہیں اور بس۔ چونکہ اور کسی رسول کا انہوں نے ظاہر اُطور پر انکار نہیں کیا۔ بلکہ ایمان لانے کے مدعی ہیں اس لئے وہ مسیح موعود کے سوا کسی اور رسول کے مطلقاً کافر نہیں کہلا سکتے۔ ہاں انہوں نے مسیح موعود کے انکار سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی گذشتہ انبیاء کا باطنی کفر اپنے اوپر ضرور لے لیا ہے بلکہ خود خدا تعالیٰ کا کفر سہیڑ لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود حقیقت الہی میں فرماتے ہیں کہ

بقیہ: صبر کا مفہوم و مطلب از صفحہ 8

ماگلو۔ اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔

ترمذی میں روایت ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! میں تجھ سے تیری نعمت کی انتہا کا طلب گار ہوں۔ آپ نے اس سے فرمایا: نعمت کی انتہا سے کیا مراد ہے؟ اس شخص نے جواب دیا: میری اس سے مراد ایک دعا ہے جو میں نے کی ہوئی ہے اور جس کے ذریعے میں خیر کا امیدوار ہوں۔ آپ نے فرمایا: نعمت کی ایک انتہا یہ ہے کہ جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے اور آگ سے نجات عطا ہو۔ اسی طرح آپ نے ایک اور شخص کی دعا سنی جو کہہ رہا تھا: يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ تُوَّابٍ لِّكَ فَرَمَايَا: تمہاری دعا قبول ہوگئی۔ اب مانگ جو مانگنا ہے۔ تو اس طرح اللہ کا واسطہ دے کر مانگا جا رہا ہے۔ اسی طرح آپ نے ایک اور شخص کو سنا جو دعا کر رہا تھا۔ اے میرے اللہ! میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم نے اللہ تعالیٰ سے ابتلاء مانگا ہے۔ (صبر مانگنے کا مطلب یہی ہے کہ ابتلاء مانگا ہے) یعنی کوئی ابتلاء آئے گا تو صبر کرو گے۔ خدا سے عافیت کی دعا کرو۔ (ترمذی کتاب الدعوات)۔ آنحضرت نے فرمایا: اگر مانگنا ہے تو اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگا کرو۔ کبھی اس طرح دعا نہ مانگو کہ میں صبر مانگتا ہوں۔ یہ تو بعض ذاتی معاملات کے بارے میں بتایا۔ اب جماعتی ابتلاء ہے، مخالفین کی طرف سے جماعت پر مختلف وقتوں میں آتے رہتے ہیں۔ ان میں بھی ہر احمدی کو ثابت قدم رہنے کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ ہمیشہ صبر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مدد مانگی چاہیے، پاکستان میں تو یہ حالات تقریباً جب سے پاکستان بنا ہے احمدیوں کے ساتھ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیشہ احمدیوں نے صبر اور حوصلے سے ان کو برداشت کیا ہے۔ اور کبھی اپنے ملک سے وفامیں کمی نہیں آنے دی، یا اس وجہ سے ایک قدم بھی وفامیں پیچھے نہیں ہٹے۔ اور جب بھی ملک کو ضرورت پڑی، سب سے پہلے احمدیوں کی گردنیں کٹیں۔ اور گردن کٹوانے کے لئے سب سے پہلے یہی آگے ہوئے۔ اور آئندہ بھی ملک کو ضرورت پڑے گی تو احمدی ہی

صف اول میں شمار ہوں گے۔“ انشاء اللہ تعالیٰ

(خطبہ جمعہ 13 فروری 2004ء۔ مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 27 فروری 2004ء، صفحہ 5 تا 6)

بقیہ: فرمان خلیفہ وقت..... از صفحہ 1

بچے نے چھ سال کی عمر میں قرآن کریم ختم کر لیا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ چھ سال یا پانچ سال میں قرآن کریم ختم کرنا تو اتنے کمال کی بات نہیں ہے۔ مجھے تم یہ بتاؤ کہ تم نے بچے کے دل میں قرآن کریم کی محبت کتنی پیدا کی ہے؟ تو حقیقت یہی ہے کہ قرآن کریم پڑھانے کے ساتھ ہی قرآن کریم کی محبت پیدا کرنی بھی ضروری ہے۔ اور تبھی بچے کو خود پڑھنے کا شوق بھی ہوگا۔ اور جس زمانے اور دور سے ہم گزر رہے ہیں جہاں بچوں کے لئے متفرق دلچسپیاں ہیں۔ ٹی وی ہے، انٹرنیٹ ہے، دوسری کتابیں ہیں۔ ان دلچسپیوں میں بچے کا خود صحیح باقاعدہ تلاوت کرنا اور پڑھنا اسے قرآن کریم کی اہمیت کا احساس دلائے گا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 16 دسمبر 2011ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

”جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا“ ۱۳۔ (روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 168)

اسی طرح غیر احمدیوں کو ہم مسیح موعودؑ کے انکار کی وجہ سے کافر سمجھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسیح موعودؑ کے ظاہر اطور پر کافر ہیں اور محمد رسول اللہ اور باقی رسولوں کے باطنی کافر، اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے مسیح موعودؑ کی اس تحریر میں کہ:

”کفر دو قسم پر ہے۔ (اول) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ (دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعودؑ کو نہیں مانتا۔“ اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

”اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔“ ۱۵۔ (حقیقہ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 185)

پھر اسی کتاب کے صفحہ 163 پر لکھا ہے کہ:

”جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔“

ان سب حوالوں پر ایک جائی طور پر نظر ڈالنے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام اپنے ظاہری کفر کو باطنی طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خود ذات باری تعالیٰ کا کفر قرار دے رہے ہیں۔ وَهُوَ الْمُرَادُ (مطبوعہ الفضل 5 تا 6 ستمبر 1916ء)

سے بھیجے ہوئے کے ساتھ استہزاء اور حد سے زیادہ زیادتیوں میں بڑھنا اور اس پر ڈھٹائی اور ضد سے قائم رہنا یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو کبھی دنیا کا امن اور سکون قائم نہیں رہنے دیں گی۔

اب آفات کو ہی لے لیں، جہاں ان کی شدت بڑھ رہی ہے، ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ان موسمی آفات کو زمینی، موسمی اور مختلف تغیرات کی وجہ قرار دیا جاتا ہے لیکن یہ بھی دیکھنے والی چیز ہے اور دنیا کو بتانے کی ضرورت ہے کہ سو سال پہلے ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے اور میری تائید میں اللہ تعالیٰ زمینی اور سماوی نشانات دکھائے گا۔ زلزلے آئیں گے، آفتیں آئیں گی، تباہیاں ہوں گی اگر لوگوں نے توجہ نہ دی۔ اور اس کے بعد ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ باتیں سچ ہوتی نظر آ رہی ہیں۔ زلزلے بھی اس کثرت اور اس شدت سے آرہے ہیں جن کی مثال سو سال پہلے کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

(خطبہ جمعہ 23 نومبر 2007ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

بقیہ: دربارِ خلافت..... از صفحہ 2

قائم کرنے کے لئے کوشش کرے۔ خدا سے ذاتی تعلق پیدا کرے۔ مخلوق کی ہمدردی میں ہر وقت کوشاں رہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ گزشتہ سو سال سے زائد عرصہ سے ہمدردی کے جذبہ کے تحت ان فرائض کی ادائیگی کے لئے حتی المقدور کوشش کرتی ہے۔ اور اس وجہ سے ہی کہ ہمارے دلوں میں ہمدردی ہے، ہمیں ان لوگوں کو ان آفات کی اور ان فسادات کی وجوہات بھی بتانی چاہئیں۔ دنیا کے ہر شخص تک یہ پیغام پہنچانا چاہئے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ اپنے اپنے حلقہ احباب میں بھی، اخباروں کو خطوط لکھ کر یاد دہانے کے ذرائع استعمال کر کے دنیا کو اب پہلے سے زیادہ کوشش کے ساتھ یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اگر خدا کو نہیں بچاؤ گے، اگر اس کے قوانین پر عمل نہیں کرو گے تو یہ بے چینی کبھی ختم نہیں ہوگی، یہ فساد کبھی ختم نہیں ہوں گے، یہ ارضی اور سماوی آفات کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف

آج کی دعا

يَا رَبِّ انصُرْ عَبْدَكَ وَاخِذْ اَعْدَاءَكَ۔ اَسْتَجِبْنِي يَا رَبِّ اَسْتَجِبْنِي اِلَامٍ يُسْتَهْرَأُ بِكَ وَبِرَسُولِكَ۔ وَحَتَّامٌ يُكَدِّبُونَ كِتَابَكَ وَيَسُبُّونَ نَبِيَّكَ۔ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَعِيْثُ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا مُعِيْنُ۔

(آئینہ کلمات اسلام روحانی خزائن جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 569)

ترجمہ: اے میرے رب! اپنے بندہ کی نصرت فرما اور اپنے دشمنوں کو ذلیل اور رسوا کر۔ اے میرے رب! میری دعا سن اور اسے قبول فرما۔ کب تک تجھ سے اور تیرے رسول سے تمسخر کیا جاتا رہے گا۔ اور کس وقت تک یہ لوگ تیری کتاب کو جھٹلاتے اور تیرے نبی کے حق میں بدکلامی کرتے رہیں گے۔ اے ازلی ابدی خدا! میں تیری رحمت کا واسطہ دے کر تیرے حضور فریاد کرتا ہوں۔

یہ حضرت مسیح موعودؑ کی اللہ تعالیٰ کے حضور مدد و نصرت طلب کرنے کی دعا ہے۔

پیارے امام سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جماعت کو اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 10 ستمبر 2010ء کو اس دعا کے پڑھنے کی تحریک فرمائی ہے۔

(مرسلہ: قدسیہ محمود سردار)

صبر کا مفہوم و مطلب صبر و استقلال کے چند واقعات اور اقتباسات

”صبر کا ہتھیار ایسا ہے کہ توپوں سے وہ کام نہیں نکلتا جو صبر سے نکلتا ہے“

اور ناشکر گزار کی اطاعت نہ کر۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس قدر احکام قرب الہی کے حصول کے لئے دیئے گئے ہیں ان پر استقلال سے قائم رہنا اور اپنے قدم کو پیچھے نہ ہٹانا بھی صبر کہلاتا ہے۔“

(تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 283-284)

”صبر کا ہتھیار ایسا ہے کہ توپوں سے وہ کام نہیں نکلتا جو صبر سے نکلتا ہے“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام صبر کے ہتھیار کو سب سے افضل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ہماری جماعت کے لیے بھی اسی قسم کی مشکلات ہیں جیسے آنحضرت ﷺ کے وقت مسلمانوں کو پیش آئے تھے۔ چنانچہ نئی اور سب سے پہلی مصیبت تو یہی ہے کہ جب کوئی شخص اس جماعت میں داخل ہوتا ہے تو معادوست، رشتہ دار اور برادری الگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات ماں باپ اور بھائی بہن بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ السلام علیکم تک کے روادار نہیں رہتے اور جنازہ پڑھنا نہیں چاہتے۔ اس قسم کی بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بعض کمزور طبیعت کے آدمی بھی ہوتے ہیں اور ایسی مشکلات پر وہ گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ اس قسم کی مشکلات کا آثار ضروری ہے۔ تم انبیاء اور رسل سے زیادہ نہیں ہو۔ ان پر اس قسم کی مشکلات اور مصائب آئیں اور یہ اسی لیے آتی ہیں کہ خدا تعالیٰ پر ایمان قوی ہو اور پاک تبدیلی کا موقع ملے۔ دعاؤں میں لگے رہو۔ پس یہ ضروری ہے کہ تم انبیاء و رسل کی پیروی کرو اور صبر کے طریق کو اختیار کرو۔ تمہارا کچھ بھی نقصان نہیں ہوتا۔ وہ دوست جو تمہیں قبول حق کی وجہ سے چھوڑتا ہے وہ سچا دوست نہیں ہے۔ ورنہ چاہیے تھا کہ تمہارے ساتھ ہوتا۔ تمہیں چاہیے کہ وہ لوگ جو محض اس وجہ سے تمہیں چھوڑتے اور تم سے الگ ہوتے ہیں کہ تم نے خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ میں شمولیت اختیار کر لی ہے ان سے دنگہ یا فساد مت کرو بلکہ ان کے لیے غائبانہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی وہ بصیرت اور معرفت عطا کرے جو اُس نے اپنے فضل سے تمہیں دی ہے۔ تم اپنے پاک نمونہ اور عمدہ چال چلن سے ثابت کر کے دکھاؤ کہ تم نے اچھی راہ اختیار کی ہے۔ دیکھو میں اس امر کے لیے مامور ہوں کہ تمہیں بار بار ہدایت کروں کہ ہر قسم کے فساد اور ہنگامہ کی جگہوں سے بچتے رہو اور گالیاں سن کر بھی صبر کرو۔ بدی کا جواب نیکی سے دو اور کوئی فساد کرنے پر آمادہ ہو تو بہتر ہے کہ تم ایسی جگہ سے کھسک جاؤ اور نرمی سے جواب دو۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص بڑے جوش سے مخالفت کرتا ہے اور مخالفت میں وہ طریق اختیار کرتا ہے جو مفسدانہ طریق ہو۔ جس سے سننے والوں میں اشتعال کی تحریک ہو لیکن جب سامنے سے نرم جواب ملتا ہے اور گالیوں کا مقابلہ نہیں کیا جاتا، تو خود اُسے شرم آ جاتی ہے۔ اور وہ اپنی حرکت پر نادم اور پشیمان ہونے لگتا ہے۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ صبر کو ہاتھ سے نہ دو صبر کا ہتھیار ایسا ہے کہ توپوں سے وہ کام نہیں نکلتا جو صبر سے نکلتا ہے۔ صبر ہی ہے جو دلوں کو فتح کر لیتا ہے۔“

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 456، 157-158 ایڈیشن 1988ء)

صبر اختیار کرنے کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی نصائح

حضرت حسن روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہنے والا قطرہ خون اور رات کے وقت تہجد

میں خشیت باری تعالیٰ کے نتیجے میں آنکھ سے ٹپکنے والے قطرے سے زیادہ

کوئی قطرہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اور نہ ہی اللہ کو کوئی گھونٹ غم کے اس

گھونٹ سے زیادہ پسند ہے جو انسان صبر کر کے پیتا ہے اور اسی طرح اللہ

کو غصے کے گھونٹ سے زیادہ کوئی گھونٹ پسند نہیں جو غصہ دبانے کے نتیجے

میں وہ پیتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد 7 صفحہ 88)

حضرت کبشہ انمارئی سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تین چیزوں کے بارے میں، میں قسم کھا

کے بتاتا ہوں کہ انہیں اچھی طرح یاد رکھو، صدقہ بندے کے مال میں سے

کچھ بھی کی نہیں کرتا۔ جب بندے پر ظلم کیا جائے اور وہ صبر سے کام لے تو

اللہ تعالیٰ اسے اور عزت بخشتا ہے۔ پہلی بات یہ کہ صدقہ دو کیونکہ صدقے

سے مال میں کمی نہیں ہوتی بلکہ اضافہ ہوتا ہے اور جب کسی پر ظلم کیا جائے

اور وہ صبر سے کام لے تو اللہ تعالیٰ اسے عزت بخشتا ہے اور تیسری بات یہ کہ

جس نے سوال کرنے کا دروازہ کھولا اللہ تعالیٰ اس کے لئے فقر اور محتاجی

کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

(ترمذی کتاب الزہد باب مثل الدنيا مثل اربعة نقر)

حضرت براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ جس نے دنیا میں اپنی بھوک مثالی، قیامت کے دن یہ اس کی

امیدوں کے درمیان روک ہوگی۔ اور جس نے حالت فقر میں اہل ثروت

کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا وہ رسوا ہوگا اور جس نے حالت فقر میں صبر سے

کام لیا اللہ تعالیٰ اسے جنت فردوس میں جہاں وہ شخص چاہے گا اسے ٹھہرائے

گا۔ (مجمع الزوائد جلد 10 صفحہ 248)

یحییٰ بن وثاب روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ وہ مسلمان جو لوگوں سے ملتا جلتا رہتا ہے اور ان کی تکلیف دہ باتوں پر

صبر کرتا ہے، اُس مسلمان سے بہتر ہے جو نہ تو لوگوں سے میل ملاپ رکھتا

ہے اور نہ ہی ان کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کرتا ہے۔

(سنن ترمذی۔ کتاب القیامۃ والرقائق)

حضرت صہیب بن سنان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے سارے کام برکت ہی

برکت ہوتے ہیں۔ یہ فضل صرف مؤمن کے لئے مختص ہے۔ اگر اس کو کوئی

خوشی و مسرت و فراخی نصیب ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے۔ اور اس کی

شکر گزاری اس کے لئے مزید خیر و برکت کا موجب بنتی ہے۔ اور اگر اُس

کو کوئی دکھ اور رنج، تنگی اور نقصان پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے۔ اور اس کا یہ

طرز عمل بھی اس کے لئے خیر و برکت کا ہی باعث بن جاتا ہے۔

(مسلم۔ کتاب الزہد۔ باب المؤمن امرؤ کلمہ خیر)

حضرت علیؑ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ایمان میں صبر کی حیثیت ایسی ہے

جیسے کہ جسم میں سر کی۔ جب صبر نہ رہا تو ایمان بھی نہ رہا۔

(کنز العمال۔ کتاب الثالث فی الاخلاق۔ قسم الافعال۔ باب الصبر وفضلہ)

حضرت ام شریک کے صبر اور استقلال کی داستان

اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ حضرت ام شریک کا واقعہ

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصائح

کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ

الْأُمُورِ (سورۃ لقمان: 18) یعنی اُس مصیبت پر صبر کر جو تجھے پہنچے۔ یقیناً یہ

بہت اہم باتوں میں سے ہے۔ اس آیت مبارکہ میں صبر کو اختیار کرنا ایک

بہت اہم کام قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اور بھی کئی آیات میں خدا تعالیٰ نے

اس اہم کام کا ذکر مختلف انداز میں کیا ہے۔ کبھی کہا ہے کہ یہ بہت بوجھل ہے

سوائے عاجزی اختیار کرنے والوں پر جیسا کہ فرمایا: وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ

وَ الصَّلٰوةِ ۗ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلٰى الْخٰشِعِيْنَ (سورۃ البقرہ: 46) کبھی اس

کو اختیار کرنے اور اس کی تلقین کرنے کا حکم صادر فرماتا ہے جیسا کہ قرآن

کریم میں ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا (آل عمران: 201)

یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر کرو اور صبر کی تلقین کرو۔ اللہ تعالیٰ

نے نبی پاک ﷺ کو یہاں تک فرمایا کہ تم سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا

تھا یہاں تک کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی مدد آنے تک صبر کیا جیسا کہ سورۃ

الانعام آیت 35 میں آتا ہے: وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلٰى

مَا كُذِّبُوا وَ اُذُوا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر سلامتی بھی بھیجی

ہے جنہوں نے صبر کیا اور اچھے انجام کی بھی خوشخبری دی ہے جیسا کہ

فرمایا: سَلَّمَ عَلَيْنٰمْ بِمَا صَبَرْنَا فَنِعْمَ عُقْبٰى الدَّارِ (الرعد: 25) جنت میں

اچھے گھروں کا وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ کیا ہے جن کے اندر یہ

صفت پائی جائے گی جیسا کہ فرمایا وَ جَزَاؤُنَا بِمَا صَبَرْنَا جَنَّةٌ وَ حٰرِيْرًا (الدھر:

13) اور اُولٰٓئِكَ يُجْرَوْنَ الْغُرَفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَ سَلٰمًا

(الفرقان آیت: 76) یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اس باعث کہ انہوں

نے صبر کیا، بالا خانے بطور جزا دیئے جائیں گے اور وہاں ان کا خیر مقدم کیا

جائے گا اور سلام پہنچائے جائیں گے۔ پھر صبر کرنے والوں کو دہرا اجر

دینے کا بھی اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ

مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا (القصص: 55)

صبر کا مفہوم و مطلب

حضرت مصلح موعودؑ صبر کا مفہوم و مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”صبر کے اصل معنی رکنے کے ہیں۔ اس لئے محققین لغت نے لکھا ہے

کہ الصَّبْرُ صَبْرَانٌ صَبْرًا عَلٰى مَا تَهَوَّيْ وَ صَبْرًا عَلٰى مَا تَتَكَمَّرُ۔ یعنی صبر

کی دو قسمیں ہیں۔ جس چیز کی انسان کو خواہش ہو اُس سے باز رہنا بھی صبر کہلاتا

ہے۔ اور جس چیز کو ناپسند کرتا ہو لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ آجائے۔

اس پر شکوہ نہ کرنا بھی صبر کہلاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ قرآن کریم

اور احادیث سے ثابت ہے۔ صبر اصل میں تین قسم کا ہوتا ہے۔ (۱) پہلا صبر تو

یہ ہے کہ انسان جزع فزع سے بچے۔ جیسے قرآن کریم میں آتا ہے وَاصْبِرْ

عَلٰى مَآ اَصَابَكَ (لقمان آیت ۱۸) تجھے جو کچھ تکلیف پہنچے تو اسپر تو صبر سے

کام لے۔ یعنی جزع فزع نہ کر۔ (۲) دوسرے نیک باتوں پر اپنے آپ کو

روک رکھنا۔ یعنی نیکی کو مضبوط پکڑ لینا۔ ان معنوں میں یہ الفاظ اس آیت میں

استعمال ہوئے: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَطْعَمْ مِنْهُمْ اِثْمًا اَوْ كَفُوْرًا (سورۃ

الدھر آیت ۲۵) یعنی اپنے رب کے حکم پر قائم رہ اور انسانوں میں سے گنہگار

نہ بنو۔

حضرت حسن روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”حضرت ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب اسلام قبول کیا تو قریش کی عورتوں کو مخفی طور پر اسلام کی تبلیغ کرنے لگیں۔ قریش کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم تجھے تیرے قبیلے کے پاس لے جائیں گے۔ پھر انہوں نے حضرت ام شریک کو اونٹ کی ننگی پیٹھ پر سوار کیا اور کہتی ہیں تین دن تک نہ مجھے پانی پینے کو دیا اور نہ ہی کھانے کو دیا تو آپ کی یہ حالت ہو گئی کہ حواس برقرار نہ رہے۔ پھر وہ لوگ ایک جگہ اترے۔ خود تو وہ لوگ سائے دار جگہ میں بیٹھے اور ان کو دھوپ میں باندھ دیا۔ حضرت ام شریک فرماتی ہیں کہ اسی حالت میں میں نے ایک پانی کا برتن دیکھا۔ میں اس میں سے تھوڑا سا پانی پیتی تو وہ مجھ سے دور ہو جاتا۔ پھر میں اس کو پکڑ کر کچھ پیتی پھر وہ مجھ سے دور ہو جاتا اور یہ کافی دفعہ ہوتا رہا یہاں تک کہ میں سیر ہو گئی۔ اچھی طرح پانی پی کے تسلی ہو گئی۔ حضرت ام شریک نے باقی ماندہ پانی اپنے جسم پر اور کپڑوں پر پھینک لیا۔ جب وہ لوگ اٹھے اور انہوں نے پانی کے آثار اور آپ کی اچھی حالت دیکھی تو انہوں نے یہ کہا کہ تونے رسیاں وغیرہ کھول کر ہمارے پانی میں سے پیا ہے۔ حضرت ام شریک نے جواباً انہیں کہا کہ نہیں اللہ کی قسم! میں نے ایسا ہرگز نہیں کیا۔ آپ نے سارا واقعہ ان لوگوں کو سنایا تو اس پر انہوں نے کہا کہ اگر تو ایسا ہے جیسا تو بیان کرتی ہے تو تمہارا دین سچا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے پانی کے مشکیزوں میں دیکھا تو وہاں اتنا پانی تھا جتنا انہوں نے چھوڑا تھا۔ اسی بات پر وہ لوگ اسلام بھی لے آئے۔ (الاصابة فی تسمیة الصحابة۔ جلد ۸۔ کتاب النساء ”فیمین عرف الکنیة من النساء حرف الشین“ ام شریک“ صفحہ 418-417۔ دار الکتب العلمیة بیروت۔ 2005ء) تو یہ بھی ایک عجیب نظارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کا اجر اسی وقت دیا۔ تین دن کی بھوک پیاس کو اپنے اس پیار کے انداز میں مٹایا اور خود انتظام فرمادیا۔“ (خطبہ جمعہ فرمودہ 19 نومبر 2010ء۔ مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 10 دسمبر 2010 صفحہ 7)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا بے مثال صبر و استقلال

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو بیان کرتے

ہوئے فرماتے ہیں:

”حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب مسلمان آزمائش میں ڈالے گئے تو حضرت ابو بکرؓ بھی مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکل پڑے۔ جب آپ بَرِّکُ الْغِنَادِ کے مقام پر پہنچے تو آپ کو قارہ قبیلے کا سردار ابن الدغنه ملا۔ اس نے پوچھا کہ اے ابو بکر! آپ کا کہاں کا ارادہ ہے؟ اس پر ابو بکر نے کہا کہ میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے۔ اس لئے اب میں نے ارادہ کیا ہے کہ اللہ کی زمین میں کہیں نکل جاؤں اور آزاد ہو کر اپنے رب کی عبادت کروں۔ ابن الدغنه نے کہا کہ تمہارے جیسے شخص کو نہ تو خود مکہ سے نکلنا چاہئے اور نہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ نکالیں۔ تم بھولی ہوئی نیکیوں پر عمل کرنے والے ہو اور رحمی رشتے داروں سے حسن سلوک کرتے ہو اور بے بسوں کے بوجھ اٹھاتے ہو اور مہمان نوازی کرتے ہو اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرتے ہو۔ پس میں تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ واپس لوٹ جاؤ اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کرو۔ حضرت ابو بکرؓ واپس آ گئے۔ ابن الدغنه بھی آپ کے ساتھ ہی ہو لیا۔ رات کے وقت قریش کے رؤساء کے پاس جا کر ابن الدغنه نے کہا۔ ابو بکر جیسے لوگ نہ تو خود نکلتے ہیں اور نہ ہی انہیں نکالا جاتا ہے۔ کیا تم ایسی اعلیٰ اور

نیک صفات والے شخص کو نکالتے ہو؟ قریش نے ابن الدغنه کی پناہ کا انکار نہ کیا۔ انہوں نے اسے کہا کہ ابو بکرؓ کو کہہ دو کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کر لیا کرے اور وہاں نماز ادا کر لیا کرے اور جو چاہے پڑھ لیا کرے لیکن اس کے ذریعہ سے ہمیں تکلیف نہ پہنچائے اور نہ اس کا اظہار اونچی آواز سے کرے۔ کیونکہ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ ہماری عورتوں اور بچوں کو فتنے میں نہ ڈال دے۔ ابن الدغنه نے یہ سب باتیں حضرت ابو بکرؓ کو بتائیں تو آپ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرنے لگے۔ اور نماز کے وقت آواز اونچی نہ رکھتے اور اپنے گھر کے سوا کہیں اور قرآن نہ پڑھتے۔ پھر آپ کے ذہن میں ایک خیال آیا اور آپ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد تعمیر کی جہاں آپ نماز ادا کرتے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے۔ اس وقت مشرکین کی عورتیں اور ان کے بچے جھانکتے اور حضرت ابو بکرؓ کو دیکھتے تو بہت زیادہ متاثر ہوتے۔ حضرت ابو بکرؓ بہت زیادہ رونے والے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت اپنی آنکھوں پر قابو نہ رکھتے تھے۔ ان کے آنسو بہنے شروع ہو جاتے تھے۔ قریش کے رؤساء اس بات سے بہت زیادہ گھبرا گئے۔ تو انہوں نے اپنا ایک پیغامبر ابن الدغنه کی طرف بھیجا۔ جب وہ آیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے اس شرط پر ابو بکرؓ کو تمہاری پناہ میں رہنے دیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرے گا۔ لیکن اس نے اس سے تجاوز کیا ہے اور اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد تعمیر کر لی ہے اور بلند آواز سے وہاں نماز ادا کرتے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور ہمیں اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں وہ ہماری عورتوں اور بچوں کو آزمائش میں نہ ڈال دے۔ پس تو ان سے پوچھ کہ وہ کیا تمہاری پناہ سے انکار کرتا ہے۔ کیونکہ ہم نے تو اس بات کو ناپسند کیا کہ ہم تجھ سے بدعہدی کریں اور نہ ہی ہم ابو بکرؓ کو علی الاعلان عبادت کی اجازت دے سکتے ہیں۔ (حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ) ابن الدغنه حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا (اور کہا) جس بات کا میں نے آپ سے معاہدہ کیا تھا یا اس پر قائم رہو یا میری ذمہ داری مجھے سونپ دو۔ کیونکہ یہ مجھے گوارا نہیں کہ عرب کے لوگ یہ بات سنیں کہ میرے ساتھ اس شخص کی وجہ سے بدعہدی کی گئی ہے جس کے ساتھ میں نے معاہدہ کیا ہوا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ میں تمہاری امان تمہیں واپس کرتا ہوں اور اللہ بزرگ و برتر کی امان کو پسند کرتا ہوں۔ (تلخیص از بخاری۔ کتاب مناقب الانصار۔ باب ہجرۃ النبیؐ واصحابہ الی المدینۃ... الخ)

اس کے بعد قریش نے حضرت ابو بکرؓ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں مگر وہ ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ قائم رہے۔ روایت میں آتا ہے کہ کفار نے حضرت ابو بکرؓ کو بہت مارا پیٹا۔ آپ کے سر اور داڑھی سے پکڑ کر اس قدر آپ کو کھینچا جاتا تھا کہ آپ کے اکثر بال گر گئے۔ تو یہ ظلم روار کھا گیا لیکن آپ نے صبر کیا۔“ (السیرۃ الخلبیۃ۔ جلد 1 باب استفتاء واصحابہ فی دار الارقم بن ابی ارقم صفحہ 41۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ 2002ء) (خطبہ جمعہ فرمودہ 19 نومبر 2010ء۔ مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 10 دسمبر 2010 صفحہ 736)

نبی کریم ﷺ اور

آپ کے صحابہؓ کا بے نظیر صبر و استقامت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کا فقید المثال صبر کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

”ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں خود سبقت کر کے ہرگز تلوار نہیں اٹھائی۔ بلکہ ایک زمانہ دراز تک کفار کے ہاتھ سے دکھ اٹھایا۔ اور اس قدر صبر کیا جو ہر ایک انسان کا کام نہیں اور ایسا ہی آپ

کے اصحاب بھی اسی اعلیٰ اصول کے پابند رہے اور جیسا کہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ دُکھ اٹھاؤ اور صبر کرو۔ ایسا ہی انہوں نے صدق اور صبر دکھایا۔ وہ پیروں کے نیچے کچلے گئے انہوں نے دم نہ مارا۔ ان کے بچے ان کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔ وہ آگ اور پانی کے ذریعے سے عذاب دیئے گئے مگر وہ شر کے مقابلے سے ایسے باز رہے کہ گویا وہ شیر خوار بچے ہیں۔ کون ثابت کر سکتا ہے کہ دنیا میں تمام نبیوں کی امتوں میں سے کسی ایک نے بھی باوجود قدرت انتقام ہونے کے خدا کا حکم سن کر ایسا اپنے تئیں عاجز اور مقابلہ سے دستکش بنا لیا جیسا کہ انہوں نے بنایا؟ کس کے پاس اس بات کا ثبوت ہے کہ دنیا میں کوئی اور بھی ایسا گروہ ہوا ہے جو باوجود بہادری اور جماعت اور قوت بازو اور طاقت مقابلہ اور پائے جانے تمام لوازم مردی اور مردانگی کے پھر خون خوار دشمن کی ایذا اور زخم رسانی پر تیرہ برس تک برابر صبر کرتا رہا؟ ہمارے سید و مولیٰ اور آپ کے صحابہ کا یہ صبر کسی مجبوری سے نہیں تھا بلکہ اس صبر کے زمانے میں بھی آپ کے جانثار صحابہ کے وہی ہاتھ اور بازو تھے جو جہاد کے حکم کے بعد انہوں نے دکھائے۔ اور بسا اوقات ایک ہزار جوان نے مخالف کے ایک لاکھ سپاہی نبرد آزما کو شکست دے دی۔ ایسا ہوا تالوگوں کو معلوم ہو کہ جو مکہ میں دشمنوں کی خون ریزیوں پر صبر کیا گیا تھا اُس کا باعث کوئی بزدلی اور کمزوری نہیں تھی بلکہ خدا کا حکم سن کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اور بکریوں اور بھیڑوں کی طرح ذبح ہونے کو تیار ہو گئے تھے۔ بے شک ایسا صبر انسانی طاقت سے باہر ہے اور گو ہم تمام دنیا اور تمام نبیوں کی تاریخ پڑھ جائیں تب بھی ہم کسی امت میں اور کسی نبی کے گروہ میں یہ اخلاقی فاضلہ نہیں پاتے اور اگر پہلوں میں سے کسی کے صبر کا قصہ بھی ہم سنتے ہیں تو فی الفور دل میں گزرتا ہے کہ قرآن اس بات کو ممکن سمجھتے ہیں کہ اس صبر کا موجب دراصل بزدلی اور عدم قدرت انتقام ہو۔ مگر یہ بات کہ ایک گروہ جو درحقیقت سپاہیانہ ہنر اپنے اندر رکھتا ہو۔ اور بہادر اور قوی دل کا مالک ہو اور پھر وہ دُکھ دیا جائے اور اس کے بچے قتل کئے جائیں اور اس کو نیزوں سے زخمی کیا جائے مگر پھر بھی وہ بدی کا مقابلہ نہ کرے۔ یہ وہ مردانہ صفت ہے جو کامل طور پر یعنی تیرہ برس برابر ہمارے نبی کریم اور آپ کے صحابہ سے ظہور میں آئی ہے۔ اس قسم کا صبر جس میں ہر دم سخت بلاؤں کا سامنا تھا جس کا سلسلہ تیرہ برس کی دراز مدت تک لمبا تھا درحقیقت بے نظیر ہے۔ اور اگر کسی کو اس میں شک ہو تو ہمیں بتلاوے کہ گزشتہ راستبازوں میں سے اس قسم کے صبر کی نظیر کہاں ہے؟ اور اس جگہ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اس قدر ظلم جو صحابہ پر کیا گیا ایسے ظلم کے وقت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے کوئی تدبیر بیچنے کی ان کو نہیں بتلائی بلکہ بار بار یہی کہا کہ ان تمام دکھوں پر صبر کرو اور اگر کسی نے مقابلہ کے لئے کچھ عرض کیا تو اس کو روک دیا اور فرمایا کہ مجھے صبر کا حکم ہے۔ غرض ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبر کی تاکید فرماتے رہے جب تک کہ آسمان سے حکم مقابلہ آ گیا۔ اب اس قسم کے صبر کی نظیر تم تمام اول اور آخر کے لوگوں میں تلاش کرو پھر اگر ممکن ہو تو اس کا نمونہ حضرت موسیٰ کی قوم میں سے یا حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں سے دستیاب کر کے ہمیں بتلاؤ۔“

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ روحانی خزائن جلد 17، صفحہ 11-10)

صبر ایک ایسا خلق ہے، اگر کسی میں پیدا ہو جائے

-- ایک انقلاب آ جاتا ہے

DAILY LONDON

ALFAZL

ONLINE



اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء
درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھیجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

کہ یہ شریر لوگ بھی نظر نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ اس پاک جماعت کو دنیا میں پھیلائے۔ اب اس وقت یہ لوگ تمہیں تھوڑے دیکھ کر دکھ دیتے ہیں مگر جب یہ جماعت کثیر ہو جائے گی تو یہ سب خود ہی چپ ہو جائیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو یہ لوگ دکھ نہ دیتے اور دکھ دینے والے پیدا نہ ہوتے مگر خدا تعالیٰ ان کے ذریعہ سے صبر کی تعلیم دینا چاہتا ہے۔ تھوڑی مدت صبر کے بعد دیکھو گے کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جو شخص دکھ دیتا ہے یا تو توبہ کر لیتا ہے یا فنا ہو جاتا ہے۔ کئی خط اس طرح کے آتے ہیں کہ ہم گالیاں دیتے تھے اور ثواب جانتے تھے لیکن اب توبہ کرتے ہیں اور بیعت کرتے ہیں۔ صبر بھی ایک عبادت ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ صبر والوں کو وہ بدلے ملیں گے جن کا کوئی حساب نہیں ہے۔ یعنی ان پر بے حساب انعام ہوں گے۔ یہ اجر صرف صابروں کے واسطے ہے۔ دوسری عبادت کے واسطے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ نہیں ہے۔ جب ایک شخص ایک کی حمایت میں زندگی بسر کرتا ہے تو جب اسے دکھ پر دکھ پہنچتا ہے تو آخر حمایت کرنے والے کو غیرت آتی ہے اور وہ دکھ دینے والے کو تباہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح ہماری جماعت خدا تعالیٰ کی حمایت میں ہے اور دکھ اٹھانے سے ایمان قوی ہو جاتا ہے۔“

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 544-543۔ ایڈیشن 1988)

”مانگنا ہے تو اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگا کرو۔“

کبھی اس طرح دعا نہ مانگو کہ میں صبر مانگتا ہوں“

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:
”حدیثوں میں مختلف صورتوں میں اور مختلف موقعوں پر صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہ اگر صبر کرو گے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا قرب پاؤ گے، میری جنتوں کے وارث ٹھہرو گے لیکن جب دعا کرنے کے طریقے اور سلیقے سکھائے تو یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے صبر مانگو بلکہ فرمایا کہ مجھ سے میرا فضل مانگو اور ہمیشہ ابتلاؤں سے بچنے کی دعا بقیہ صفحہ 5 پر

گے، جزع فرغ کرو گے تو اپنی خطائیں معاف کروانے کے موقع کو ضائع کر رہے ہو گے۔ دوسری طرف صبر کرنے والوں کے لئے کتنی بڑی خوشخبری ہے کہ ہلکی سی بھی تکلیف پر صبر کرنے والے کے صبر کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا، بغیر اجر دیئے نہیں جانے دیتا۔ اور خطائیں اور غلطیاں معاف فرماتا ہے۔ بعض لوگ بعض دفعہ کسی سے کوئی معمولی سی بات سن کر جھگڑے شروع کر دیتے ہیں۔ بعض دفعہ اس طرح بھی شکایات آ جاتی ہیں کہ اجلاسوں میں بیٹھے ہوئے تو توتو میں میں اور پھر لڑائی شروع ہو جاتی ہے اور اس اجلاس کے ماحول کے تقدس کو بھی خراب کر رہے ہوتے ہیں۔ حوصلہ اور صبر ذرا بھی نہیں ہوتا جبکہ مؤمن کے لئے بڑا سخت حکم ہے کہ صبر دکھاؤ، حوصلہ دکھاؤ، پھر ہمسائے ہیں، ہمسائے نے اگر کوئی بات کہہ دی تو اس سے ذرا سی بات پر لڑائی شروع ہو گئی۔ یہاں سے اینٹ اٹھا کے وہاں کیوں رکھ دی، وہاں کوئی پتھر کیوں رکھ دیا گیٹ کیوں کھلا رہ گیا۔ کار کیوں میرے گھر کے گیٹ کے سامنے آ گئی۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو لڑائی جھگڑے پیدا کر رہی ہوتی ہیں اور دونوں ہمسائے پھر ایک دوسرے کو بچھا دکھانے کے لئے، لڑنے کے مختلف حیلے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں اور انتہائی چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائیاں ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ مکان کی دیوار بنائی ہے۔ تمہاری دیوار میری زمین میں چند انچ سے بھی زائد آ گئی ہے۔ خالی کرو، یا تمہارے درخت کے پتے میرے گھر میں گرتے ہیں اس درخت کو وہاں سے کاٹو تو ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے قضاء میں مقدمے بھی چل رہے ہوتے ہیں۔ جو میں باتیں کر رہا ہوں یہ عملاً ایسا ہوتا ہے۔ شرم آتی ہے ایسی باتیں سن کر اور یہ باتیں پاکستان اور ہندوستان وغیرہ میں نہیں ہوتیں بلکہ اس طرح ہر جگہ ہو رہا ہے، یہاں بھی ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے بعض دفعہ لڑائی جھگڑے بڑھ رہے ہوتے ہیں۔ ہمسائے کو کچھ تعمیر نہیں کرنے دے رہے ہوتے حالانکہ دوسرے ہمسائے کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ ذرا ذرا سی بات پہ شکایتیں ہو رہی ہوتی ہیں۔ تو احمدی کا یہ فرض ہے کہ اگر کوئی ایسی حرکت کرتا بھی ہے تو اس کو معاف کرنا چاہئے۔ اور غصے پر قابو رکھنا چاہئے اور صبر کرنا چاہئے۔ کیونکہ خدا کو یہی پسند ہے۔“
(خطبہ جمعہ 13 فروری 2004ء۔ مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 27 فروری 2004ء، صفحہ 4)

”آپ نے صحابہؓ کو صبر ہی کی تعلیم دی۔ آخر کار

سب دشمن فنا ہو گئے“

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”اس جماعت میں جب داخل ہوئے ہو تو اس کی تعلیم پر عمل کرو۔ اگر تکالیف نہ پہنچیں تو پھر ثواب کیونکر ہو۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تیرہ (13) برس تک دکھ اٹھائے۔ تم لوگوں کو اس زمانے کی تکالیف کی خبر نہیں اور نہ وہ تم کو پہنچیں ہیں۔ مگر آپ نے صحابہؓ کو صبر ہی کی تعلیم دی۔ آخر کار سب دشمن فنا ہو گئے۔ ایک زمانہ قریب ہے کہ تم دیکھو گے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:
”صبر ایک ایسا خلق ہے، اگر کسی میں پیدا ہو جائے یعنی اس طرح پیدا ہو جائے جو اس کا حق ہے تو انسان کی ذاتی زندگی بھی اور جماعتی زندگی میں بھی ایک انقلاب آ جاتا ہے۔ اور انسان اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارش اپنے اوپر نازل ہوتے دیکھتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ صبر کرنے کا حق کس طرح ادا ہو؟ اس کو آزمانے کے لئے ہر روز انسان کو کوئی نہ کوئی موقع ملتا رہتا ہے، کوئی نہ کوئی موقع پیدا ہوتا رہتا ہے کوئی نہ کوئی دکھ، مصیبت، تکلیف، رنج یا غم کسی نہ کسی طرح انسان کو پہنچتا رہتا ہے، چاہے وہ معمولی یا چھوٹا سا ہی ہو۔ تو اس آیت میں فرمایا کہ جب کوئی ایسا موقع پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو تمہیں اس دکھ، تکلیف، پریشانی یا اس مشکل سے نکال سکتی ہے اس لئے اس کے سامنے جھکو، اس سے دعا مانگو کہ وہ تمہاری تکلیف اور پریشانی دور فرمائے لیکن دعا بھی تب ہی قبولیت کا درجہ پاتی ہے جب کسی قسم کا بھی شکوہ یا شکایت زبان پر نہ ہو اور لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کبھی نہ ہو بلکہ ہمیشہ صبر کا مظاہرہ ہو اور ہمیشہ صبر دکھاتے رہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو اور اس سے عرض کرو کہ اے اللہ! میں تیرے سامنے سر رکھتا ہوں، تیرے سامنے جھکتا ہوں، تجھ سے ہی اپنی اس پریشانی اور تکلیف اور مشکل کو دور کرنے کی التجا کرتا ہوں۔ میں نے کسی اور کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا نا۔ یہ تکلیف یا پریشانی جو مجھے آئی ہے میری کسی غلطی کی وجہ سے آئی ہے یا میرے امتحان کے لئے آئی ہے میں اس کی وجہ سے تیرا نافرمان نہیں ہوتا، نہ ہونا چاہتا ہوں، اس کو دور کرنے کے لئے میں کبھی بھی غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکتا۔ بلکہ صبر سے اس کو برداشت تو کر رہا ہوں لیکن تجھ سے اے میرے پیارے خدا! میں التجا کرتا ہوں کہ مجھے اس سے نجات دے اور ساتھ ہی یہ بھی التجا کرتا ہوں کہ اس امتحان میں، اس ابتلاء میں مجھے اپنے حضور میں ہی جھکائے رکھنا کبھی کسی غیر اللہ کے در پر جانے کی غلطی مجھ سے نہ ہو۔ اور یہ صبر اور یہ تیرے در پہ جھکنا اے اللہ! تیرے فضل سے ہی ہو سکتا ہے اور اے اللہ! کبھی اپنے نافرمانوں میں سے مجھے نہ بنانا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب یہ رویہ تمہارا ہو گا اور اس فکر اور کوشش سے تم میرے در پر آؤ گے تو میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ پھر ایسے صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ایسے ایسے راستوں سے اس کی مدد کرتا ہے جہاں تک انسان کی سوچ بھی نہیں جاسکتی۔“

(خطبہ جمعہ 13 فروری 2004ء۔ مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 27 فروری 2004ء، صفحہ 3)

”غصے پر قابو رکھنا چاہئے اور صبر کرنا چاہئے۔“

کیونکہ خدا کو یہی پسند ہے“

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز صبر کو اختیار کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تو ان لوگوں کے لئے جو ذرا ذرا سی بات پر بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کے لئے انذار بھی ہے کہ اگر تم بے صبری کا مظاہرہ کرو



کیم دسمبر 2020ء	طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ	05:21	17:37
مدینہ منورہ	05:26	17:33
قادیان	05:45	17:24
ربوہ	05:24	17:04
اسلام آباد ملتان فورڈ	06:16	15:59